© rasailojaraid.com

صابر آفاقی

حلاج اور طاہرہ

حسین بن منصور حلاج اور قرۃ العین طاہرہ دو ایسی خدا مست شخصیات ہیں جن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جائے گا۔ دونوں نے بے روح مذہبیت میں عشق و قربانی کی روح پھونکی اور دنیا میں اہل عشق کے لیے اپنا نقش چھوڑا' دونوں زندگی کی حرکی قوت کے ترجمان بنے اور دونوں نے انسان کو عقل و جنوں کی نئی منزل سے آگاہ کیا۔

لیکن واقعات زندگی' مسائل' افکار اور انجام میں بڑی مماثلت اور مشابہت نظر آتی ہے۔ ان دونوں مفکرین کے درمیان تیسری شخصیت غالب کی ہے' مقام شہادت پر تو فائز نہ ہوئے لیکن آرزوئے شہادت میں ان سے پیچھے نہ تھے۔ غالب کے ان اشعار کا لہجہ وہی ہے جو لہجہ حلاج و طاہرہ کے اشعار کا ہے:

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

جان دی دی ہوئی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہاں اہل طلب کون سنے طعنہ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

فکر و فلسفہ اور افکار و خیالات میں غالب' حلاج اور طاہرہ کا کہاں تک ہم پلہ قرار پاتا ہے اور علامہ اقبال نے تینوں کو یکجا کیوں کر دیا' یہ وسیع مضمون ہے' جس پر کسی دوسرے وقت میں بات ہوگی۔ اس وقت حلاج اور طاہرہ کی زندگی اور کارناموں کا اختصار سے احاطہ کرنا ہے' تاکہ پتہ چلے کہ اقبال نے بلاوجہ ان ارواح جلیلہ کی تعریف نہیں کی' علامہ فرماتے ہیں:

غالب و حلاج و خاتون عجم
شور ہا افگندہ در جان حرم

حسین بن منصور حلاج

قصبہ بیضا' شیراز سے سات فرلانگ کے فاصلے پر آباد ہے' یہ شروع ہی سے علم و ادب کی وجہ سے معروف رہا ہے' عربی نحو کے امام سیبویہ اور مشہور مفسر قرآن بیضاوی یہیں کے رہنے والے تھے۔ موخرالذکر کی تفسیر بیضاوی مستند شمار ہوتی ہے۔ بیضا بصرہ سے خراسان آنے والی شاہراہ پر واقع ہے۔

حسین بن منصور حلاج طور۔ بیضا میں ۲۴۴ھ /۸۵۷ء میں پیدا ہوا اور ۳۰۹ھ /۹۲۲ء میں اسے بغداد میں شہید کر دیا گیا۔ حسین بچپن میں والد کے ساتھ عراق چلا گیا اور وہاں واسط شہر میں تعلیم حاصل کرنے لگا۔ واسط کے اکثر باشندے شیعہ تھے اور باقی فقہ حنبلی کے پیرو تھے' حسین واسط کے مدرسہ "دارالحفاظ" میں بارہ سال تک پڑھتا رہا اس نے قرآن حفظ کیا اور پھر قرآن کی باطنی تفسیر کی طرف راغب ہوا۔ حسین کی مادری زبان تو فارسی تھی لیکن اب وہ عربی زبان کا عالم بن گیا تھا۔ واسط میں حسین ایک معروف صوفی سہل تستری کا مرید ہوگیا اور سلوک کے مراحل طے کرنے لگا۔ حسین بیس سال کا ہوگا جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بصرہ پہنچا اور حسن بصری کے مدرسہ میں کسب علوم کرنے لگا۔ اس کے بعد حسین نے ایک اور معروف صوفی عمرو مکی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس زمانے میں حسین نے ابو یعقوب الاقطاع کی بیٹی ام الحسین سے شادی کر لی۔ وہ تین بیٹوں اور ایک بیٹی کا باپ بنا۔ بصرہ کے محلہ تمیم میں رہنے کی وجہ سے حسین بدنام ہوا اور وہاں کے غالی مسلک "مخمسہ فرقہ" کے ساتھ اسے بھی منسلک کر دیا گیا اور کہا گیا کہ حسین کا ان شورش پسندوں کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا ہے۔ اسی زمانے میں حسین کا تعارف حضرت جنید (متوفی ۲۹۸ھ) سے ہوا۔ محلہ تمیم میں حسین نے کچھ باتیں سیکھ لیں جو شیعہ کے ہاں مقبول تھیں۔ دراصل ان شورش پسندوں سے حسین کا کوئی تعلق نہ تھا۔ بصرہ میں وہ بیوی بچوں کے ساتھ رہتا اور زاہدانہ زندگی بسر کرتا' وہ فقہ میں اہل سنت و جماعت کا پابند تھا۔ باقاعدگی سے نماز روزہ کرتا۔ بلکہ اکثر روزے سے رہتا اور عید کے روز بھی سیاہ لباس پہنتا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس طرح خدا کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے۔ حسین' حضرت جنید کے مدرسہ میں کئی سال رہ چکا تھا اور ان کا احترام کرتا تھا۔ لیکن ایک وقت آیا' جب جنید کو چھوڑ کر مکہ چلا گیا' وہ وہاں ایک سال رہا اور مراقبے اور چلے کرتا رہا۔

سال کے بعد حسین لوٹ آیا لیکن اب اس نے صوفی کا لباس اتار پھینکا اور صوفیاء سے قطع تعلق کر لیا۔ اب صوفیاء کی روش کے بالکل برعکس وہ بغداد کے گلی کوچوں میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے لگا۔ حسین نے یہ نظریہ بنا لیا تھا کہ آدمی عبادت و ریاضت سے وہ مقام حاصل کر سکتا ہے کہ خدا کے ساتھ مل جائے۔ قربانی میں حضرت مسیح اس کے آئیڈیل تھے' حسین عشق و محبت کی حقیقت بتاتے ہوئے کہتا ہے:

حقيقة المحبة قيامک مع محبوبک بخلع اوصافک والا نصاف باتصافه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: محبت کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے سارے اوصاف چھوڑ چھاڑ کر محبوب کے ساتھ قائم اور اسی کے اوصاف سے متصف ہو جاؤ۔

عشق اور قرب ربانی کا یہ نظریہ ایسا تھا جسے حسین خود بھی خطرناک سمجھتا تھا۔ چنانچہ خود کہتا ہے لو القی مما فی قلبی ذرۃ علی جبال الارض لذابت

ترجمہ: اگر میں اپنے اسرار قلبی سے ایک ذرہ بھی زمین کے پہاڑوں پر ڈال دوں تو پگھل کر رہ جائیں۔

صوفیا کے نزدیک شطحیات و اسرار کا فاش کرنا ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اس افشائے راز کو ترک صوم کے مترادف کہا جاتا تھا۔ اور اگر کوئی صوفی کوئی ایسی بات کرتا تو دروازہ بند کر کے کرتا تھا۔ حسین کا ایک شعر اس کے نظریہ "صوفیانہ وصال" کی ترجمانی کرتا ہے۔

جبلت روحک فی روحی کما یجبل العنبر بالمسک الفتق

ترجمہ: تری روح مری روح میں اس طرح سما گئی جس طرح عنبر مشک ناب میں مل جاتا ہے۔

حج سے واپس آتے ہی حسین کی ٹکر ریاکار صوفیوں سے ہو گئی جو تصوف کو جلب دنیا کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ اب وہ کھلے عام صوفیوں کے خلاف وعظ کہتا، وہ ادیبوں، تاجروں اور صرافوں سے زیادہ میل جول رکھتا تھا۔ اس وعظ کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ آرامی اور نسطوری لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے اور اسے ایک مصلح سمجھنے لگے۔ دوسری طرف بغداد کے معتزلہ اور غالی شیعوں کا ایک گروہ حسین سے الجھ پڑا اور اسے بدنام کرنے لگا۔ حسین چونکہ نظام مالیات کے مروجہ نظام کے سخت خلاف تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ عوام سے بھاری ٹیکس اور خراج وصول کیا جائے اور اس پیسے کو عیش و عشرت میں اڑایا جائے۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ لوگ حسین کے دشمن ہو گئے جن کا کام عوام سے ٹیکس وصول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا تھا۔ محکمہ مال کا سارا عملہ ہی حسین کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔

اب مذہب اور اقتصادیات سے وابستہ یہ دونوں گروہ حسین کو بدنام کرنے لگے' اسے ساحر و حیلہ گر کہنے لگے اور یہ الزام بھی لگایا کہ حسین غریبوں کو مفت میں کھانا کھلاتا ہے اور ان کو پیسے بھی دیتا ہے۔ بغداد کے اس آمرانہ معاشرے میں یہ بات سب کے لیے باعث حیرت تھی کہ ایک آدمی اتنا عوامی اور عوام دوست بھی ہو سکتا ہے۔ وہ صوفیا سے پہلے بدظن ہو گیا تھا اب مذہبی طبقوں کی آپس کی لڑائیاں دیکھیں تو رسمی مذہب سے بھی بیزار ہونے لگا۔ اہل تصوف ہوں یا اہل مذہب--- دونوں گروہ ظاہری رسوم و رواج کے پابند تھے لہٰذا حسین نے ظاہری رسوم کو بھی خیرباد کہہ دیا۔

حسین لوگوں کی دشمنی کو اپنے حق میں مفید جانتا تھا۔ اس کا کہنا تھا:

واذا احب حث عبادہ بالعداوۃ

ترجمہ: "اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو لوگوں کو اس کی دشمنی پر آمادہ کر دیتا ہے۔"

حسین نے بغداد کے علما اور مذہبی فرقوں کی تنگ نظری دیکھی تو خراسان اور طالقان چلا گیا' وہ ایک درویش کی زندگی گزارتا اور راتیں کاروان سراؤں میں بسر کرتا۔ حسین پانچ سال تک خراسان کے مختلف مقامات میں گھومتا رہا۔ اس مدت میں طرح طرح کے لوگوں سے میل جول کے نتیجے میں اس کے افکار میں اور وسعت آئی۔ ہو سکتا ہے اس سفر کے دوران اس کی ملاقات خراسان کے زرتشیوں سے بھی ہوئی ہو اور ان کے مذہبی خیالات و تعلیمات سے استفادہ کیا ہو۔ حسین خراسان سے رہواز چلا گیا جو بصرہ اور کوفہ کے مقابل دریا کے اس طرف ایران میں واقع ہے۔ اب حسین کے ساتھ معززین اہواز کی ایک جماعت بغداد گئی تھی۔ بغداد سے حسین دوسرے حج کے لیے روانہ ہوا تو کوئی چار سو شاگرد اور معتقد اس کے ساتھ تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے حج سے واپس آیا تو حسین ایک طویل سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ وہ اس زمانے میں مروجہ کشتی کے ذریعے سندھ آیا۔ پھر دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ ملتان پہنچا۔ ملتان سے کشمیر گیا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس عہد میں اہواز کے تجار طراز اور تستر کا زر بفت کشمیر لاتے تھے اور اس کے عوض کشمیر سے چینی کاغذ اور بھوج پتر بغداد لے جاتے تھے۔ کشمیر اور قراقرم اور ہندوکش کے اونچے اونچے پہاڑوں پر ایک درخت پایا جاتا ہے جسے بھوج (فارسی: توز) کہتے ہیں۔ اس درخت کی چھال اتاری جائے تو باریک اور نرم و نازک بھورے رنگ کا کاغذ نکلتا ہے جو قدیم زمانے میں قیمتی اور متبرک کاغذ سمجھا جاتا تھا۔ بھوج پتر کا رواج عراق وغیرہ میں بہت تھا۔

حسین اب ایسی سرزمین (کشمیر) میں تھا جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے:

من خدارا دیدم آنجا بے نقاب

حسین کے سفر کا مدعا یہی تھا کہ وہ آفاق کی سیر کر کے خدا کو بے نقاب دیکھے۔ کشمیر میں کچھ عرصہ قیام کر کے حسین تاجروں کے ایک گروہ کے ساتھ ہو لیا اور شمار مشرق میں چین تک چلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے حسین کشمیر سے کاشغر اور شاید آگے ترکستان تک گیا ہو گا۔ ان بلند پہاڑوں میں سفر کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حسین تمام رسمی مذاہب سے ماورا ہو گیا اور وحدت انسانی کی تبلیغ کرنے لگا۔

کئی برسوں کی سیاحت کے بعد حسین ایران آگیا اور نہاوند میں رکا۔ زرتشتیوں کی عید نوروز کے موقع پر حسین نے بوق و کرنا کی آواز سنی تو بولا: متٰی تنورز! میں نوروز کا تحفہ کب پاؤں گا۔ وہ وقت کب آئے گا جب میں مقتل پہنچوں اور خدا کا وصال پاؤں۔ کہتے ہیں اس واقعہ کے تیرہ سال بعد جب حسین کو صلیب پر لٹکایا گیا اور اسے مثلہ کیا گیا تو یہ نوروز ہی کے دن تھے۔ کسی شاگرد نے طنزاً" پوچھا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایھا الشیخ اتحفت! حضور کیا آپکو تحفہ مل گیا۔
اتحفت بالکشف والیقین جی ہاں۔ مجھے کشف و یقین کا تحفہ دیا گیا ہے۔

حسین نہاوند سے سفرِ حج پر روانہ ہوا۔ یہ اس کا تیسرا حج تھا۔ اس دوران اس نے کہا صاحب خانہ کا تصور اس طرح ذہن پر چھا جانا چاہیے کہ خانہ کا تصور ہی غائب ہو جائے۔ غالب نے یہ بات اس طرح کہی ہے:

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں!

وہ کہتا ہے:

للناس حج ولی حج الی سکنی
تھدی الا ضا حی واھدی مھجتی و دمی
"لوگ کعبہ کا حج کرتے ہیں، میں اس کے ساکن کا حج کرتا ہوں"
وہ گوشت کی قربانی دیتے ہیں اور میں خون کا ہدیہ پیش کرتا ہوں۔"

حسین نے بغداد واپس آکر ایسے ایسے کام کرنے شروع کئے جن کی وجہ سے وہ خوب بدنام ہوا۔ کہتے ہیں اس نے گھر میں چھوٹا سا کعبہ بنا لیا تھا۔ راتوں کو قبرستان میں عبادت کرتا اور دن کو بغداد کے کوچہ و بازار میں عجیب و غریب باتیں کرتا، جنہیں صوفیا کی زبان میں شطحیات کہا جاتا ہے۔ ایک دن وہ بازار میں پکار پکار کر کہنے لگا۔

یا اھل الاسلام اغیثونی من اللہ فلیس یترکنی و نفس فانس بھاولیس یا خذنی من نفسی فا ستریح منھا ھذا دلال لا اطیقہ۔

ترجمہ: "اے مسلمانو! خدا سے میرا انصاف کراؤ۔ نہ مجھے چھوڑتا ہے کہ دل بستگی پیدا کروں نہ قفس سے جدا کرتا ہے کہ میں اس سے آزاد ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاؤں۔ یہ ایسا عشوۃ و ناز ہے جس کو برداشت کرنا میرے بس میں نہیں۔"

اب وہ شہادت کے لیے تیار تھا۔ روز و شب کوشش کرتا کہ کوئی ایسی بات کہے یا کام کرے جسے بہانہ بنا کر لوگ اسے قتل کر دیں۔ ایک دن اس نے جامع المنصور میں سرعام کہا:

اعلموا ان اللّٰہ تعالیٰ اباح لکم دمی۔ فاقتلونی توجروا واستریح۔

ترجمہ: "جان لو۔ اللہ تعالیٰ نے میرا قتل تم پر مباح کر دیا ہے۔ مجھے قتل کر دو۔ اس سے تمہیں اجر و ثواب ملے گا اور مجھے آرام نصیب ہوگا۔"

کبھی کبھی حسین کہتا: علی دین الصلیب یکون موتی۔ "دین صلیب پر میری موت ہوگی۔" یہ باتیں سن کر لوگ اور علماء حسین کے خلاف بر افروختہ ہوگئے۔ وہ اس سے پہلے چند نہایت حساس مسائل پر رسائل بھی لکھ چکا تھا۔ ان علما میں فرقہ ظاہریہ کا محمد بن داؤد جو اہل سنت کا فقیہ و شاعر تھا۔ اس عقیدے کے خلاف تھا کہ عبد معبود کے ساتھ مل کر ایک ہو سکتا ہے۔ یہ شخص بغداد کا قاضی تھا اور اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے حسین کو عدالت میں بلا کر محاکمہ کرنا چاہا تاکہ اسے سزا دی جائے۔ خوش قسمتی سے بغداد کے دوسرے قاضی ابن صریح نے جو شافعی مذہب کا پیرو تھا' قاضی محمد بن داؤد سے اتفاق نہ کیا اور اس طرح حسین اس دفعہ محاکمہ سے بچ گیا۔ ابن صریح کا کہنا یہ تھا کہ ایسے صوفیانہ حال کے بارے میں حکم دینا شرعی عدالتوں کی حدود سے باہر ہے۔

حسین جب برصغیر پاک و ہند اور کشمیر و چین کے سفر سے واپس گیا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ ان ملکوں سے سحر و جادو اور شعبدہ بازی سیکھ کر آیا ہے۔ جب تیسرے حج سے لوٹا تو زور شور سے اسے بدنام و رسوا کیا گیا۔ کبھی وہ کہتے حسین نے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو چھوڑ دیا ہے۔ کبھی کہتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مسیحؑ کو رہنما بنا لیا ہے چونکہ حسین کا حکومت کے آدمیوں سے بھی رابطہ تھا اس لیے یہ شک کرنے کی گنجائش موجود تھی کہ مبادا وہ حکومت کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ شیعہ، سنی مناقشہ عروج پر تھا۔ سنی ڈرتے تھے کہ خلیفہ شیعوں کے اثر میں نہ آجائے اور شیعوں کو یہ ڈر تھا کہ خلیفہ صوفیا سے متاثر نہ ہو جائے۔

دریں اثناء دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ حسین سیاسی شورش برپا کرنا چاہتا ہے، بصرہ کے دو آدمی سیرافی اور نسوی حسین کے زبردست دشمن تھے۔ انہوں نے مشہور کر دیا کہ شبلی نے بغداد کی جامع مسجد المنصور میں حسین کو دیکھا اور احوال پرسی کی اور حسین نے چپکے سے شبلی کے کان میں کہا انا الحق۔

اس بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا:

گفت آن یار کز و گشت سردار بلند!
جرمش آن بود کہ اسرار ہویدا می کرد

(حافظ)

بغداد کے عوام یہ چاہتے تھے کہ ایسی حکومت برسراقتدار آئے جو عدل و انصاف قائم کرے۔ خراج و مالیات کی وصولی میں انصاف سے کام لیا جائے۔ سرکاری عمال اور محکمہ مالیات کے سیکرٹری ظلم و زیادتی سے باز رہیں۔ ان حالات میں ۲۹۶ھ میں اہل سنت کے اصلاح پسند گروہ نے بغاوت کر دی اور ابن المعتز نے خلافت بھی قائم کر لی لیکن یہ خلافت دوسرے ہی روز ختم ہو گئی۔ چنانچہ المقتدر جو ابھی بچہ ہی تھا، خلیفہ بنا لیا گیا۔ امور مالیات کا ماہر ابن الفرات نئے خلیفہ کا وزیر بن گیا۔ ابن الفرات سابقہ وزیر امیر حسین بن حمدان اور حسین بن منصور دونوں کا دشمن تھا۔ ابن الفرات جب حمدان کو نہ پکڑ سکا کہ وہ کہیں بھاگ گیا تھا تو حسین بن منصور کو پکڑ لیا گیا اور پولیس کی نگرانی میں رہنے لگا۔ اتنے میں ابن الفرات نے حکم دیا کہ حسین بن منصور کے دوستوں کو بھی گرفتار کیا جائے۔ چنانچہ چار آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ حسین بن منصور موقع پا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر بھاگ نکلا اور اہواز کے علاقہ شوش میں چھپ گیا۔ اور تین سال تک روپوش رہا۔ آخر ۳۰۱ھ / ۹۱۳ء میں اسے واسط کے سیکرٹری مالیات حامد نے پکڑوا دیا اور گرفتار کر کے بغداد لایا گیا۔ اس پر مقدمہ چلا اور جھوٹ موٹ کے الزامات لگا کر جیل بھیج دیا گیا جہاں وہ آٹھ سال تک قید رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ مقدمہ بھی چلتا رہا اور سات ماہ تک کارروائی ہوتی رہی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ حسین بن منصور کو موت کی سزا دی جائے۔

۳۰۱ھ میں وزیر ابن عیسی برسراقتدار آیا اس کا چچا زا بھائی احمد قناتی حسین کا حامی بلکہ پیرو تھا۔ حسین کے چار ساتھی تو جیل سے رہا ہوگئے مگر حسین کے حق میں قتل کا حکم صادر ہو گیا۔ تاہم ابھی تک وہ قید میں تھا اور اسے تبلیغ کی اجازت بھی تھی۔ اس عرصے میں حسین نے کئی کرامات دکھائیں، مثلاً یہ کہ ۳۰۳ میں اس نے خلیفہ کا بخار اتار دیا۔ حسین کے افکار و نظریات کی وجہ سے معتزلہ اس کے جانی دشمن ہوگئے تھے اور انہوں نے مشہور کر دیا تھا کہ حسین جادوگر اور شعبدہ باز ہے۔ ۳۰۴ھ میں وزارت دوبارہ ابن الفرات کے ہاتھ میں آگئی جو حسین کا دشمن تھا۔ اسی زمانے میں حسین نے جیل میں کتاب طاسین الازل لکھی۔

ادھر بغداد میں شلمغانی اور حامد اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے حامد بے حد بے رحم اور ظالم محاسب تھا جبکہ ابن عیسی مالیات میں سخت گیریوں کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔ حامد نے خلیفہ کے ذریعے یہ اعلان کروا دیا کہ گندم کا ذخیرہ کر لیا جائے۔ ابن عیسی نے مخالفت کی لیکن اس کی ایک نہ چلی۔ چنانچہ ذخیرہ اندوزی کے سبب ملک میں فاقہ کشی پھیل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام بھوک سے تنگ آکر سرکاری گوداموں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اس سے پہلے بصرہ اور موصل کے ذخیروں کو لوٹ چکے تھے۔ اس افراتفری میں حسین کو آزاد کر دیا گیا لیکن اس نے جیل سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ اس شورش کے دنوں میں حامد واسط چلا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا مگر جلد ہی بغداد آ گیا اور حسین دشمنی میں دوبارہ سرگرم ہو گیا۔

حیرت یہ ہے کہ حسین کے دوست امارت کے دنوں میں اس کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ یہ لوگ حکومت سے ڈرتے تھے اور معاشرے کے دباؤ کے سامنے بے بس تھے۔ حسین کا سچا دوست فقط شبلی تھا جو ماوراالنہر سے ترک وطن کر کے بغداد آ گیا تھا۔ شبلی حسین کے انجام سے ڈر گیا تھا اس لیے وہ حسین کے عقائد کی تردید کرنے لگا تاکہ اسے موت سے بچا لیا جائے۔ حسین کا دوسرا دوست محکمہ نیشاپور کا مفتی ثقفی تھا جو شبلی اور ابن صریح کا دوست تھا۔

کہا جاتا ہے کہ خلیفہ حسین کے بارے میں سخت گیری کے حق میں نہ تھا۔ مگر چونکہ حامد' ابن عیسی اور نصر قشوری کو گرانا چاہتا تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ حسین کا معاملہ ایک دفعہ پھر اٹھایا جائے۔

شبلی جیل میں عقل کے خلاف باتیں کرتا تھا اور ایسے ایسے عقائد بیان کرتا جن کو سن کر لوگوں کو حیرت ہوتی۔ اسے بارہا پاگل خانے بھیجا گیا جو خلیفہ المقتدر کی ماں شغب نے ذہنی مریضوں کے علاج کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شبلی نے کہا تھا:

"حلاج اور میں ایک ہی عقیدہ رکھتے تھے۔ مجھے میرے جنون نے نجات دلائی اور اسے اس کی عقل نے ہلاک کر دیا۔ کیونکہ وہ جو جانتا تھا کہہ دیتا تھا اور میں جو جانتا تھا اسے کہتا نہیں تھا۔

بہر صورت حامد نے اب ابوبکر بن مجاہد کو ایک مہرے کے طور پر استعمال کیا۔ مجاہد' ابن سالم اور شبلی کا دوست تھا مگر حسین کا دشمن۔ اب مقدمہ شروع ہوا۔ حنبلیوں نے حامد کے خلاف بغاوت کر دی اور وہ بازار میں نکل آئے۔ ان کا بہانہ یہ تھا کہ حامد خراج اور مالیہ کی وصولی میں سخت گیری کرتا ہے اور انہوں نے یہ مطالبہ بھی کر دیا کہ حسین کو رہا کر دیا جائے۔ ان شورشیوں کا رہنما ابن عطا تھا جو حسین کا دوست تھا۔ مگر حامد میدان میں اتر چکا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ وہ اب ایسے آدمیوں کی تلاش میں تھی جو حسین کے خلاف گواہی دے سکیں، لیکن کوئی بھی ایسے گھناؤنے کام پر تیار نہ ہوا۔ ابن عطا نے حامد سے کہا:

"تو جو خراج و مالیہ اس قدر زیادہ وصول کرتا ہے۔ تجھے زیب نہیں دیتا کہ تم نیک لوگوں کے عمل پر اعتراض کرو جن کا میں پیرو ہوں۔" یہ سن کر حامد کو غصہ آگیا اور ابن عطا کو اس قدر مارا کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ حامد دانستہ ایسے حالات پیدا کرنا چاہتا تھا کہ حسین کو قتل کر دیا جائے۔

اب حامد نے ابو عمر حمادی کو آلہ کار بنالیا۔ قاضی حمادی مالکی فقیہ تھا۔ حامد نے ابو عمر حمادی سے کہا حسین ادائے حج کے لیے کعبہ دل کی زیارت کافی سمجھتا ہے۔ گویا اس کا معاملہ بھی قرامطہ جیسا ہے۔ حسین نے اپنے ایک دوست شاکر بن احمد کو خط میں یہ جملہ لکھا تھا: اهدم الكعبه۔ کعبے کو گرا دے۔ حسین کے طرف دار اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اصنام بدن کے کعبہ کو گرا دو اور خواہشات نفسانی کو مٹا دو۔ ابن بہلول حنفی قاضی تھا۔ ابو عمر حمادی نے اسے اس سازش میں شریک کرنا چاہا لیکن وہ نہ مانا۔ مزید یہ کہ کوئی آدمی حسین کے خلاف گواہی دینے پر بھی تیار نہ تھا۔ بہرحال ایک بدکار آدمی عبداللہ بن مکرم کو کافی رقم دے کر گواہی پر تیار کر لیا گیا۔ جھوٹی گواہی دینے کے کچھ دنوں بعد اسے قاہرہ کا قاضی بنا دیا گیا۔

محکمہ افتا نے فقہا سے رائے لی کہ حسین کو قتل کر دیا جائے اس فیصلے پر متفق ہونے والوں کی تعداد چوراسی (۸۴) تھی۔

ادھر نصر قشوری اور خلیفہ کی والدہ نے بہت کوشش کی کہ حسین کے قتل کا حکم جاری نہ ہو۔ خلیفہ بیمار پڑا ہوا تھا۔ اس نے بھی کہا حسین کو قتل نہ کرو۔

لیکن حامد نے اصرار کیا اور کہا اگر حسین کو زندہ چھوڑ دیا گیا تو بڑا انقلاب آجائے گا اور عوام کو بغاوت پر تیار کر دے گا۔ یہ سن کر خلیفہ گھبرا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ علی الصبح اس نے حکم جاری کر دیا کہ حسین کو قتل کر دیا جائے۔

۲۳ر ذی الحجہ ۳۰۹ھ کو منادی کرائی گئی کہ وزیر حامد' حسین کے قتل کا حکم جاری کرے گا۔ حامد نے حسین کو پولیس کے اعلیٰ افسر محمد بن عبدالصمد کے حوالے کر دیا۔ پولیس شہر میں گشت کرنے لگی کہ مبادا کہیں بغاوت ہو جائے۔

۲۴ر ذی الحجہ کو باب خراسان میں پولیس چوکی کے سامنے' دجلہ کے مغربی کنارے لوگوں کی بھیڑ جمع تھی۔ حسین نے سر پر افسر نما کلاہ رکھا ہوا تھا وہ زنجیر میں رقصاں میدان میں آیا۔ حسین کو پہلے تو پانسو تازیانے لگائے گئے۔ پھر ہاتھ پاؤں کاٹ کر مثلہ کیا گیا۔ اور دار پر لٹکا دیا گیا۔ نماز مغرب کے بعد خلیفہ کے آدمی آئے کہ حسین منصور کی لاش اتار لی جائے۔ چونکہ اب دیر ہو چکی تھی اس لیے واپس چلے گئے اور دوسرے دن علی الصبح لاش اتار کر اسے جلا دیا اور راکھ دجلہ کی نذر کر دی۔ ؎ عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو دار پر لٹکایا گیا تو انہوں نے اپنی ماں مریم سے' جو وہاں کھڑی رو رہی تھیں' کہا تھا:۔

"آ ماں بیٹے کا جلال دیکھ۔" لیکن حسین منصور کی مظلومیت پر کوئی آنسو بہانے والا نہ تھا۔ خود حسین بیحد خوش تھا کہ وہ وادی مرگ میں اتر کر عروج و بقا کا مقام حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے انجام کی نہ صرف خبر تھی بلکہ اس کی تمنا بھی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔

اقلتونی یا ثقاتی لائمًا
ان فی قتلی حیاتی دائما
ان موتی فی حیاتی یا فتٰی
کم افارق موطنی حتی متٰی

ترجمہ : "اے معزز لوگو! مجھے ملامت کرتے ہوئے قتل کر دو۔ میری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابدی زندگی تو قتل ہو جانے میں ہے۔ اے جوان! میری موت تو دراصل میری زندگی ہے۔ میں اپنے اصلی وطن سے کب تک دور رہوں گا۔" بقول حافظ:

میاں عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میان بر خیز

حسین ایک اور شعر میں کہتا ہے:

فہا انا فی حبس الحیاۃ ممنع
عن الانس فا قبضنی الیک من الحبس

ترجمہ: "سن لو میں زندگی کے زندان میں ہوں اور (خدا سے) انس ممکن نہیں۔ پس تو (اے خدا) مجھے حبس و زنداں سے رہائی دے دے۔"

حسین حیات بعد ممات اور بقائے روح کا معتقد اور مبلغ تھا اور موت کو وصال ذات غیب کا ذریعہ جانتا تھا۔ وہ کہتا ہے روح خدا کے پاس چلی جاتی ہے اور اجزائے بدن عناصر سے مل جاتے ہیں۔

عادالروح الی اربابہا فبقی الہیکل ترب رمیم

ترجمہ: "آدمی روح کے ساتھ خدا کے پاس چلا جاتا ہے اور آدمی کا بدن اور بوسیدہ ہیکل مٹی میں مل جاتا ہے۔"

حسین نے اسی فلسفہ کی تبلیغ کی اور اسی کے لیے زینت دار و رسن بن گیا۔ قتل گاہ میں جو لوگ موجود تھے وہ بھاگ بھاگ کر حسین سے طرح طرح کے سوال کرتے تھے۔ اتنے میں شورش پسندوں نے کئی دکانوں کو آگ لگا دی۔ ابھی تک خلیفہ کا حکم نہیں آیا تھا کہ حسین کا سر کاٹ دیا جائے۔ شاید اسے کچھ تامل ہو گا لیکن حامد کے اصرار پر خلیفہ نے حکم صادر کردیا اور حسین کا سر قلم کر دیا گیا۔ دوسرے دن جسم پر تیل لگایا گیا اور آگ لگا دی گئی۔ اب حسین کی خاکستر ایک مینار کی بلندی سے دریائے دجلہ میں گرا دی گئی۔ یہ ۲۶ر مارچ ۹۲۲ء کا واقعہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در مدرسہ کس را نہ رسد دعوئی توحید
منزل گہ مردان موحد سردار است

یہ تھا انجام شیراز کے قصبہ بیضا کے رہنے والے حسین بن منصور حلاج کا۔ یہ واقعہ ۹ر جولائی ۱۸۵۰ء میں تبریز میں دہرایا گیا جب شیراز ہی کے ایک نوجوان سید علی محمد باب کو سات سو پچاس گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا۔

جب حسین کو صلیب پر لٹکایا جا رہا تھا۔ تو اس کی زبان پر عجیب و غریب باتیں جاری تھیں۔ حسین نے کہا:

الھی اذا تتودالی من یوذیک فکیف لم تتودالی من یوذیک فیک

ترجمہ: "اے خدا! جب تو اسے دوست رکھتا ہے جو تجھے دکھ پہنچاتا ہے تو تو کس طرح اسے دوست نہ رکھے گا' جو تیری راہ میں دکھ اٹھاتا ہے۔"

کہتے ہیں شہادت سے پہلے حسین نے کلمہ شہادت پڑھا اور کہا۔

حسب الواجد افراد الواحد لہ۔

ترجمہ: "واجد و طالب کو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ واحد کے ساتھ ایک ہو جائے۔"

حکومتی اداروں میں حسین کے دشمنوں کی کمی نہ تھی۔ سب سے بڑا دشمن تو وزیر حامد تھا۔ جو مدت سے سیکرٹری مالیات چلا آرہا تھا۔ اس نے بے حساب دولت جمع کر رکھی تھی اور عیش و عشرت کی زندگی گزارتا تھا۔ اس کے دربار میں غلاموں کی بھیڑ لگی رہتی تھی' مگر اسے دین و مذہب سے برائے نام دلچسپی تھی۔ حسین اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا بلکہ خدا واسطے کا بیر تھا۔

حسین کا دوسرا دشمن شلمغانی تھا۔ شلمغانی کو حامد کے داماد نے ڈھونڈ نکالا تھا۔ یہ پست فطرت اور ظالم آدمی تھا۔ اس نے کہا تھا ہم حسین کو سرکشی و بغاوت کے جرم میں قتل کر رہے ہیں۔

حسین کا تیسرا بڑا دشمن سپہ سالار مولسن تھا۔ جو رومی الاصل خواجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سراؤں میں سے تھا۔ یہ حامد کی طرح بوڑھا تھا۔ بیحد طالع آزما اور راشی تھا۔ مولنس نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ وہ عوام اور ماتحتوں سے رشوت تحفہ کے نام سے لیتا تھا۔ نیک دل اور خدا ترس وزیر ابن عیسیٰ نے خراج میں عوام کو چھوٹ دی تو مولنس کھلی مخالفت پر اتر آیا۔

حسین کے بدخواہوں میں ایک شخص قاضی ابو عمر تھا۔ یہ بیحد عیاش آدمی تھا اور ہر سانچے میں ڈھل جانے والا متلون مزاج' مذہبی لحاظ سے مالکی تھا۔ حسین کی شہادت کے آٹھ سال بعد اسے ۳۱۷ھ میں چیف جسٹس بنا دیا گیا تھا۔

خلیفہ المقتدر بے اختیار خلیفہ تھا سارے اسلامی خلیفوں کی طرح حسین کے دوست بھی تھے' مگر تھے سبھی کمزور اور بزدل۔ خلیفہ کی ماں شغب حسین کی مداح اور معتقد تھی لیکن وہ اس کی جان بچانے میں کوئی کردار ادا نہ کر سکی۔ ابن الفرات وزیر تھا اور خلیفہ کی ماں نے اسے قسم دی تھا کہ حسین کو قتل نہ کیا جائے لیکن وہ اتنا کمزور اور مصلحت اندیش نکلا کہ اپنے دوست کے لیے کچھ نہ کر سکا۔ دراصل یہ سارے لوگ سازشوں' رقابتوں' منافقتوں اور مصلحتوں کے جال میں مکڑی کی طرح پھنسے ہوئے تھے۔ حسین کے دوستوں میں ایک نائب وزیر ابن عیسیٰ تھا۔ یہ سچا آدمی تھا۔ مگر یہ اپنے منصب کو بچانے کی فکر میں تھا۔ حسین کی کھلی حمایت نہ کر سکا۔ چند معتزلہ بھی حسین کے طرف دار تھے۔ ایک شخص ابراہیم بن فاتک تو حسین کے ساتھ جیل بھی کاٹ چکا تھا۔ ہاشمیوں میں ہیکل نامی شخص حسین کا دوست تھا اور بعد میں حسین ہی کی طرح اسے بھی قتل کر دیا گیا تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ موسیٰؑ و فرعون' مسیحؑ و ہیرودس' حسین و یزید' حلاج و حامد اور سید باب و ناصر الدین شاہ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ بقول اقبال:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ع این دو قوت از حیات آید پدید

تین آدمی حسین کے مخلص دوست تھے۔ ابن عطاؒ شبلی اور ابن خفیف۔ یہ مصائب برداشت کرتے رہے، اور یہ توقع رکھتے کہ جو مصیبت حسین پر وارد ہو وہ ان پر بھی آئے۔ انہوں نے حسین کی تحریریں سنبھال کر رکھیں۔ حنبلیوں کی ایک جماعت کو حسین کی حمایت پر تیار کیا۔ اس نے عدالت میں اعلان کیا۔ "میں بھی حسین کی طرح خدا کے ساتھ "صوفیانہ وصال" کا معتقد ہوں۔" وزیر یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا اور ابن عطا کو اتنا پیٹا کہ وہ بیچارہ دم توڑ گیا۔ یہ حادثہ حسین کی شہادت سے پندرہ روز پہلے رونما ہوا۔

اب حسین پر اور مصائب توڑے جانے لگے۔ شبلی ترک سرداروں میں سے تھا۔ وہ دماوند ایران میں جائیداد کا مالک تھا۔ لیکن بعد میں دنیا داری چھوڑ کر صوفی بن گیا تھا۔ حسین سے اس کی پہلی ملاقات بغداد میں ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ حسین کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہوگیا اور اس کے بقول حسین میں " خدائی نور جلال" نظر آیا تھا۔ جب مصائب کا شکار ہوا تو جان بوجھ کر دیوانہ بن گیا تاکہ حکومت کے غضب سے بچ جائے۔ شبلی نے کئی موقعوں پر ان عقائد کا انکار کیا جو حسین سے منسوب کئے جاتے تھے۔

ابو عبداللہ ابن خفیف شیراز کا باشندہ تھا۔ اس نے ایک ہی بار حسین کو زنداں میں دیکھا اور ایسا دیکھا کہ اس کا عقیدت مند ہوگیا۔ ابن خفیف اشعری کا ماننے والا تھا۔ اس نے حسین کو دیکھ کر کہا تھا۔ "میں نے مرد خدا کو دیکھا ہے۔"

حسین کا ایک دوست نصر قشوری تھا جو سیکورٹی سٹاف کا چیف آفیسر تھا۔ یہ دراصل رومی عیسائی تھا جو مسلمان ہو کر حنبلی مسلک سے وابستہ ہو گیا تھا۔ یہ حسین کی شہادت کے بعد بھی اس کی محبت پر قائم رہا۔ چونکہ اس کی ملازمت کی مجبوری تھی اس لیے وہ حسین کا کھل کر ماتم بھی نہ کرسکا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسین کی شہادت کے بعد خلیفہ کے دربار پر سکوت چھا گیا۔ خلیفہ کی ماں۔۔۔ شغب جو رومی عیسائی سے مسلمان ہوئی تھی۔ عزاداری کر رہی تھی۔ اس حسین کا سر شاہی خزانے میں محفوظ رکھا اور ایک قطعہ زمین وقت کر دیا تاکہ حسین کے عقیدت مند زیارت کر سکیں۔

حسین کی شخصیت اس کی زندگی میں ہی متنازعہ فیہ بن گئی تھی۔ ایک گروہ اسے جادوگر اور شعبدہ باز کہتا تھا اور دوسرا گروہ ولی کامل سمجھتا تھا۔ حسین کو لوگوں نے متعدد القاب دے رکھے تھے۔ جس نے جیسا سمجھا ویسا ہی لقب دے دیا۔

مثال کے طور پر سندھ میں وہ ابو المغیث' ترکستان میں محقق' خراسان میں روشن بین' فارس میں ابو عبداللہ صوفی' خوزستان میں حلاج الاسرار اور بغداد میں مجذوب کے نام سے مشہور ہوا مگر حقیقت یہ ہے کہ حسین میں وہ سارے اوصاف پائے جاتے تھے جن سے وہ متصف ہوا۔

شہادت کے بعد حسین کے بارے میں طرح طرح کی روایات مشہور ہوئیں۔ بلکہ وہ ایک داستانی شخصیت بن گیا اور بقول مولانا ابوالکلام آزاد: "آدمی کی عظمت یہ ہے کہ وہ افسانہ بن جائے۔"

ظاہر سرخسی نے یہ بات مشہور کر دی کہ اس نے حلاج کو دیکھا ہے کہ ہاتھ میں نیزہ لیے اور چہرے پر نقاب ڈالے' گھوڑے پر سوار بغداد کے ایک کوچے سے گزر رہا تھا۔ حسین نے تین بار ہجرت کی' بیضا سے واسط پھر بغداد اور پھر واسط سے اہواز۔ تین حج کیئے' اس نے بغداد میں اسی طرح کوچہ و بازار میں وعظ کہنا شروع کیا جس طرح حضرت مسیحؑ نے فلسطین میں تبلیغ شروع کی تھی۔ دو بار مقدمہ چلا اور سالہا سال تک زنداں میں رہا۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حسین نے تین بار کمزوری دکھائی۔ پہلے حج کے بعد خرقہ درویشی اتار پھینکا' مقدمہ سے پہلے بھاگ کر شوش چلا گیا اور تیسری کمزوری یہ کہ وصال کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راز آشکار کر دیا اور انا الحق کا نعرہ لگایا۔ نصیر الدین طوسی کہتا ہے: "حسین نے انا الحق کہہ کر دیدہ دانستہ دوسروں پر اپنا خون حلال کر دیا تھا۔"

لیکن حسین چاہتا یہی تھا کہ لوگوں میں رسوا ہو۔ ایذائیں برداشت کرے کیونکہ وہ رسوائی و اذیت کو تقرب الی اللہ بلکہ وصال مع اللہ کا ایک ذریعہ سمجھتا تھا۔ وہ کہتا ہے:

اریدک لا اریدک للثواب' ولکنی اریدک للعقاب

ترجمہ: "اے خدا میں تجھے ثواب کے لیے بلکہ عتاب و عذاب کے لیے چاہتا ہوں۔"

حسین آخری دم تک مسلمان ہی رہا' لیکن صوفیوں کی ملمع کاری اور ملاؤں کی ریا کاری نے اسے ان کی فقہی سطح سے بلند کر دیا تھا وہ تمام ادیان کی عالم گیر صداقتوں پر ایمان رکھتا تھا۔ یہ فکری رفعت حسین کو دیگر ادیان مثلاً زرتشتی' عیسائیت' ہندو مت' بدھ مت اور مانویت کے گہرے مطالعے کے نتیجے میں میسر آئی تھی۔ وہ کہتا ہے:

تفکرت فی الادیان جداً محققاً
فالفیتها اصلاله شعب جما

ترجمہ: "میں نے ادیان کی سنجیدگی سے تحقیق کی تو ان سب کو اصل میں ایک ہی پایا' البتہ فرقے کئی ہیں۔"

حسین سچا موحد اور عارف تھا اور شراب معرفت سے سرشار۔ وہ کہتا ہے:

مثالک فی عینی و ذکرک فی فمی
و مشواک فی قلبی فاین تغیب

ترجمہ: "(اے خدا) تری مثال مری آنکھ میں اور ترا ذکر میری زبان پر رہتا ہے۔ تیرا گھر میرا دل ہے پھر تو کیونکر جدا ہو سکتا ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بینی و بینک "انی" نیاز عنی
فارفع بنیک "انی" من البسین

ترجمہ: "میرا من میرے اور تیرے درمیان پردہ بن گیا ہے' پس مرے "من" سے اپنے "من" کا پردہ اٹھا لے۔"

حسین شہید ہو کر عشق حقیقی کی مثال اور عشاق کا آئیڈیل بن گیا۔ بعد کے تمام صوفیا کی جذب و مستی کا منبع رہا۔ لوئی ماسینیون لکھتا ہے:

"اسلام میں حلاج کی مقبولیت اسرائیل میں حضرت عیسیٰؑ کی مقبولیت سے زیادہ عام ہے۔"

شہادت کے بعد حسین کی شخصیت اور اس کے افکار کو فقہا' صوفیا' علما اور شعراء نے زندہ رکھا۔

فقہا میں قاضی ابن صریح پہلا آدمی ہے جس نے حسین کو مقدمہ سے بچایا تھا۔ لیکن اب حداد (متوفی ۳۴۴ھ) اور ابو بکر قفال (متوفی ۳۶۵ھ) اولین فقہاء تھے جنہوں نے حسین کے بارے میں روایات کو زندہ رکھا۔ اس کے بعد خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) نے اس عظیم شخصیت سے متعلق روایات و حکایات کو ضبط تحریر میں لا کر زندہ کر دیا۔ کئی مفسرین نے اپنی اپنی تصانیف میں حلاج کے اقوال کا حوالہ دیا اور ان کی شرح کی ہے۔ ابن عطا کا سلسلہ روایات خراسان کے مفسر سلمی (متوفی ۴۱۰ھ) تک پہنچا۔ سلمی نے ان روایات کو اپنی تفسیر میں لکھا اور تفسیر سلمی بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں شامل نصاب رہی۔ یہ مدرسہ شافعیوں نے قائم کیا تھا اور ۶۴۰ھ سے ساتویں صدی کے آخر تک ایک اہم علمی مرکز رہا۔ دوسرا مفسر روزبھان بقلی شیرازی (متوفی ۶۰۶ھ) ہے جس نے اقوال و روایات حسین کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ تفسیر برصغیر پاک و ہند میں بھی مقبول رہی ہے۔

حسین ایک ایسا ولی تھا جس پر صدیوں تک لعن طعن کی گئی۔ تین سو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سال تک ابن عربی (متوفی ۶۳۸ھ) اور شاذلی (متوفی ۶۵۴ھ) اس کی مغفرت کی دعا کرتے رہے۔ ان دونوں صوفیوں کا کہنا یہ تھا کہ جب ممکن الوجود اور واجب الوجود حقیقت میں ایک ہیں تو پھر حسین کا نظریہ وصال بے معنی تھا' کیونکہ وصال دو متغایر چیزوں میں ہوتا ہے۔ بقول غالب: اہل شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں۔ حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں۔ شبلی کے بعد جن صوفیاء نے حسین کے بارے میں روایات اور اس کے اقوال و شطحیات کو پھیلایا ان میں نصیر آباد نیشا پوری (متوفی ۳۷۲ھ) ابو سعید ابوالخیر (متوفی ۴۹۴ھ) محدث ابو طاہر سلفی (متوفی ۵۷۶ھ) قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ یوسف ہمدانی (متوفی ۵۲۵ھ) اور حکیم سنائی (متوفی ۵۵۰ھ) نے تفصیل کے ساتھ حسین کی کرامات کا ذکر کیا ہے۔ صوفی اور شاعر فرید الدین عطار (متوفی ۶۱۷ھ) نے اپنے تذکرۃ الاولیاء میں حسین کا مقام ولایت سمجھانے کی کوشش کی۔ عین القضاۃ ہمدانی (متوفی ۵۲۵ھ) نے بھی حسین کا چرچا عام کیا۔ فارسی ادبیات کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے شعرا نے بھی حسین کے عشق و جنوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ لیکن حسین کی شہرت دوسرے ممالک تک بھی پہنچی ہے۔

حسین کی شہادت کے بعد ہی عشق کی حقیقت پر بحث ہونے لگی۔ اس سے پہلے عشق پر کبھی نہ سوچا گیا نہ لکھا گیا گویا یہ لفظ تصوف و عرفان کے لغت میں تھا ہی نہیں۔ ابن سینا پہلا فلسفی ہے جس نے حسین کے حوالے سے "عشق" کو موضوع بحث بنایا' پھر ابن سبعین مرسی (متوفی ۶۶۹ھ) نے اس پر بحث کی۔ اور مفکرین اسلام نے اس طرف توجہ کی کہ حسین عالم گیر دین کا پیرو تھا۔ اور کہا کہ وہی قطب معنوی ہے جو اسلام کو آخری وحدت کی طرف لیے جا رہا ہے' جب اسلام کے فقہی اختلافات مٹ جائیں گے اور لوگ خود ساختہ رسوم و رواج کو خیرباد کہہ کر نسل انسانی کو گلے لگا لیں گے' خدا کی توحید بنی انسانی کی توحید کا سبب بن جائے گی اور "ما و من" کی تفریق اٹھ جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرفا میں نجم الدین رازی (متوفی ۶۵۴ھ)، کیشی (متوفی ۶۸۴ھ) جلال الدین رومی (متوفی ۶۷۲ھ) نصیر الدین طوسی تو حسین کو قطب مانتے تھے۔ بہا الدین عاملی (متوفی ۱۰۳۰ھ) میرداماد (متوفی ۱۰۴۱ھ) صدر الدین شیرازی (متوفی ۱۰۵۰) محسن فیض کاشانی (متوفی ۱۰۹۱ھ) روزبھان بقلی (متوفی ۶۰۶ھ) نے حلاج کی تصانیف کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

بغداد میں مکتب شہودیہ کے پیرو علا الدین سمنانی (متوفی ۷۳۶ھ) دھلی میں مخدوم جہان گشت جہانیاں (متوفی ۸۷۵ھ) عظیم آباد میں عبدالقادر بیدل (متوفی ۱۱۳۳ھ) سرھند میں مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) جیسے عظیم صوفیا اور علمائے اسلام حسین بن منصور حلاج کے مداح اور معترف تھے۔

بعد کے زمانوں میں حسین منصور ایک ولی کامل اور قطب زماں کے طور پر ابھرے چنانچہ اس شہید کے نام پر کئی مقامات پر خانقاہیں قائم ہوئیں۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

اوش (قرغستان) غدف (موریتانیا) روتا (بنگلہ دیش) شورش وارہ (فرید پور)

حسین منصور حلاج عالم دین تھا، زاہد تھا، مصلح تھا، مصنف تھا، صوفی تھا، سیاسی رہنما تھا۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک خدا رسیدہ درویش تھا۔ اس کے کمال عشق و سرمستی کے سامنے بقیہ تمام اوصاف و کمالات ماند پڑ گئے۔ آج حسین منصور حلاج کو اہل علم کے علاوہ مسلم دنیا کے عوام اور ان کی مقامی زبانوں میں جو شہرت و ناموری ملی ہے، وہ کسی دوسرے درویش خدا مست کو نہیں ملی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرۃ العین طاہرہ

خاندان

تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات ہے ایران کے شہر قزوین میں برغانی خاندان کے تین بھائی رہتے تھے' یہ تینوں اپنے وقت کے عالم دین اور مجتہد تھے۔

حاجی ملا محمد تقی امام جمعہ تھے---- حاجی ملا محمد صالح مجتہد مدرسہ صالحیہ کے استاد و مہتمم تھے اور حاجی ملا محمد علی بھی عالم تھے۔ حاجی ملا محمد صالح علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے مشہور و مقبول تھے۔

پیدائش

۱۸۱۹ء میں حاجی ملا محمد صالح کے گھر ایک بچی نے جنم لیا اور اس کا نام فاطمہ رکھا گیا' بعد میں قرۃ العین طاہرہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ فاطمہ کے بھائی کا نام عبدالوہاب اور چھوٹی بہن کا نام مرضیہ تھا۔

تعلیم

والد محترم نے اس کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی' وہ مجلس درس میں پردے کے پیچھے بیٹھ کر علمی استفادہ کرتی' جہاں تین سو سے زیادہ طلباء پڑھتے تھے' چنانچہ اس لڑکی نے جلد ہی ادبی و دینی علوم میں اس قدر استعداد بہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہنچائی کہ بڑے بڑے علماء اس کی قابلیت و ذہانت پر رشک کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس کے والد اور چچا کسی مسئلہ پر الجھ جاتے تو فاطمہ ہی اس کا حل پیش کرتی۔

شادی

یہ ہونہار لڑکی جو بعد میں "قرۃ العین" اور "طاہرہ" کے ناموں سے مشہور ہوئی' روز بروز ماہ کامل بنتی چلی گئی۔

طاہرہ ابھی تقریباً تیرہ سال کی تھی کہ اس کی شادی ملا محمد تقی مجتہد کے بیٹے ملا محمد کے ساتھ کر دی گئی۔ جس سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ بیٹوں کا نام شیخ محمد اسمٰعیل اور شیخ محمد ابراہیم تھا' جو بڑے ہو کر مجتہد بنے۔ گھریلو زندگی کی مصروفیت اور اولاد کی محبت طاہرہ کو علمی بحث و گفتگو اور مطالعہ و تحقیق سے ہرگز روک نہ سکی۔

آپ نے اپنے خالہ زاد بھائی ملا جواد اور چچا ملا محمد علی کے ذریعے شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی کی تصانیف حاصل کر کے ان کا مطالعہ شروع کیا تو وہ ان دونوں کی تحریروں کی شیفتہ ہوگئیں' یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ شیخ احمد احسائی جنھوں نے ۱۸۲۷ء میں وفات پائی' ان کے مشن کو ان کے شاگرد سید کاظم رشتی نے جاری رکھا' حضرت شیخ کی تعلیمات نے ایران و عراق اور دوسرے کئی ممالک میں فکری انقلاب پیدا کیا۔ ان کا مشن پرانے عقائد کی اصلاح کرنا تھا۔ حضرت شیخ کی تصانیف پڑھنے کے بعد طاہرہ اپنے والد محترم اور چچا کے ساتھ فقہی' عرفانی اور علمی مسائل پر گفتگو کرنے لگی' پھر اس نے خود بھی ایک رسالہ "در اثبات تعلیم شیخ" تحریر فرمایا اور یہ رسالہ سید کاظم رشتی کی خدمت میں کربلا بھیج دیا۔ سید مرحوم اس کے مطالعہ سے بے حد متاثر و مسرور ہوئے اور طاہرہ کو اپنے خط میں "یا قرۃ العین و روح الفواد" سے مخاطب کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد میں طاہرہ، قرۃ العین کے نام سے مشہور ہوئی۔

کربلا کا سفر

طاہرہ کی عمر بمشکل چوبیس سال کی ہو گی، جب آپ کے دل میں امام حسین علیہ السلام کے مرقد کی زیارت اور سید کاظم سے ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا، چنانچہ آپ بچوں کو شوہر کے سپرد کر کے اپنی بہن مرضیہ اور بہنوئی ملا محمد علی کے ہمراہ ۱۸۴۳ء میں کربلا پہنچیں۔ سید کاظم رشتی وفات پا چکے تھے، طاہرہ نے حضرت شیخ و سید کے عقائد و تعلیمات کی رو سے یہ یقین کر لیا کہ "یوم ظہور" نزدیک ہے، لہٰذا آپ کربلا ہی میں ٹھہر کر درس دینے لگیں اور اس طرح ان دو بزرگوں کے مشن کو جاری رکھا۔ کربلا میں آپ کا قیام تین سال تک رہا۔

کربلا کے زمانہ قیام میں آپ اپنے علمی و ادبی مقام کی وجہ سے سب لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئیں، ریاضت میں مشغول ہو گئیں۔ دن روزے میں اور رات نماز، دعا اور مناجات میں گزرنے لگے۔

ایک خواب

ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک نوجوان سید زادہ سر پر سبز عمامہ باندھے اور بدن پر سیاہ عبا اوڑھے زمین سے بلند کھڑا ہے اور فضا میں نماز پڑھ رہا ہے، یہ نوجوان دعائے قنوت میں جو آیات پڑھتا ہے، ان میں سے ایک طاہرہ خواب میں یاد کر لیتی ہیں اور بیدار ہونے پر اسے ایک کاپی میں یادداشت کر لیتی ہیں۔

جب ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء کو شیراز میں سید علی محمد باب نے امام منتظر ہونے کا اعلان کیا تو ملا علی بسطامی آپ کے الہامی صحیفے "قیوم الاسماء" لے کر کربلا پہنچے۔ طاہرہ کے ہاتھ یہ صحیفہ لگا انہوں نے اس کا بغور مطالعہ کیا اور آپ باب پر فوراً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمان لے آئیں اور "قیوم الاسماء" کی تفسیر و تشریح کرنے لگیں۔

نظر بندی

جب قرۃ العین طاہرہ جوش و جذبہ کے ساتھ لوگوں کو علی محمد باب کی دعوت دینے لگیں' اس پر علماء ان کے خلاف ہو گئے اور حکومت کربلا کو اس کی شکایت کر دی' جب طاہرہ کو معلوم ہوا تو آپ نے جواب میں کہا: "میرا ایمان ہے کہ باب میں علم الہٰی کا ظہور ہو چکا ہے' اگر علماء چاہیں تو اس موضوع پر مجھ سے گفتگو اور مناظرہ کر سکتے ہیں۔"

چونکہ علماء' طاہرہ کے علم و فضل' قوت استدلال اور فصاحت و بلاغت سے بخوبی آگاہ تھے' اس لئے وہ ان کے ساتھ گفتگو کرنے کی جرات تو نہ کر سکے البتہ ان کی شکایت پر طاہرہ کو کربلا میں سید کاظم رشتی کے مکان میں نظر بند کر دیا گیا' یہاں کسی کو ان سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔

بغداد کا سفر

حکومت کربلا نے حکومت بغداد کو اس سلسلے میں لکھا اور حکم کا انتظار کرنے میں جب تین ماہ گزر گئے' تو طاہرہ نے کہا کہ وہ خود بغداد جا کر ارباب حکومت سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں' اس پر آپ کو وہاں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ قرۃ العین طاہرہ' ملا حسین بشروئی کی ہمشیرہ۔ ان کی والدہ محترمہ اور میرزا ہادی نہری کی بیوی شمس الضحیٰ کی ہمراہی میں بغداد پہنچیں اور شیخ محمد شبل العراقی کے گھر قیام فرمایا جو طاہرہ کے شاگرد تھے' طاہرہ کے آنے کے بعد بغداد میں ہلچل مچ گئی۔ شیخ شبل کے گھر علماء کا آنا جانا زیادہ ہو گیا تو آپ نے گھر بدل لیا مگر تبلیغ میں وہی زور و شور جاری رہا' آپ نے کاظمین کے علماء سے خط و کتابت شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ان کو دعوت مباہلہ بھی دے دی۔ طاہرہ کی یہ جرات و بے باکی دیکھ کر علماء نے حکومت میں طاہرہ کے خلاف شکایت کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی۔ چنانچہ حکومت نے ان کو مفتی بغداد محمود ابن آلوسی کے گھر منتقل کر دیا جہاں آپ نے دو ماہ قیام کیا۔

محمود ابن آلوسی روزانہ آپ سے علمی بحث و گفتگو اور تبادلہ خیال کرتے۔ یہ محمود ابن آلوسی وہی ہیں جنھوں نے معروف تفسیر روح المعانی لکھی ہے۔ آخر کار جب استنبول سے حکم آیا کہ طاہرہ کو ممالک عثمانی سے بدر کر دیا جائے تو آپ اپنی سہیلیوں کے ساتھ مفتی بغداد کے گھر سے چلی گئیں اور سفر کی تیاری کرنے لگیں۔

ایران واپسی

بغداد سے سفر کرتے وقت تقریباً" تیس عرب پیروکار طاہرہ کے ساتھ تھے جو قزوین تک ہم رکاب رہے۔

ایران کے شہر کرمان شاہ میں پہنچ کر طاہرہ نے عوام اور علماء کو جدید ظہور کی دعوت دینا شروع کر دی' لیکن علماء نے زبردست مخالفت کی۔ یہاں سے آپ ہمدان وارد ہوئیں تو شاہزادہ خواند مرزا نے ایک مجلس ترتیب دی اور چند بڑے بڑے علماء کو دعوت دی کہ وہ اس خاتون سے بحث و مناظ کریں۔

قرۃ العین طاہرہ پس پردہ ہو کر ان سے گفتگو کرتیں اور سب کو لاجواب کر دیتیں' انہی دنوں آپ نے ایک رسالہ تحریر کیا اور ملا محمد ابراہیم محلاتی کے ذریعے رئیس العلماء کو بھیجا۔ رئیس العلماء نے غصہ میں آکر حکم دے دیا کہ ملا ابراہیم محلاتی کو زد و کوب کیا جائے' چنانچہ بے قابو عوام نے انہیں مار مار کر بے ہوش کر دیا' جب طاہرہ نے زخموں سے چور ملا ابراہیم محلاتی کو دیکھا تو ان کو مبارکباد دی کہ وہ راہ حق میں زخمی ہوئے ہیں۔

قیام ہمدان کے زمانے ہی میں آپ کے والد ملا محمد صالح مجتہد کے آدمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آ گئے اور پیغام دیا کہ آپ فوراً قزوین چلی آئیں۔

قزوین میں آمد

قزوین پہنچنے کے بعد طاہرہ اپنے والد گرامی کے گھر میں وارد ہوئیں' ان کے شوہر ملا محمد مجتہد نے بہت اصرار کیا کہ آپ اس کے گھر جائیں' لیکن آپ وہاں نہ گئیں اور کہلا بھیجا کہ "ہم نے تم سے آنکھیں پھیرلی ہیں۔ اب تم کبھی درخور اعتنا نہ بنو گے۔ ہمارے درمیان مفارقت ابدی ہونی چاہئے۔" یہ پیغام سن کر ملا محمد مجتہد نے اپنے والد ملا محمدؐ تقی امام جمعہ سے درخواست کی کہ وہ طاہرہ پر کفر کا فتویٰ لگائے۔ باپ بیٹا دونوں نے اس عورت کو نیچا دکھانے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ استقامت کا پہاڑ بنی رہی۔

طاہرہ کے والد ملا محمد صالح مجتہد نے جو ایک سنجیدہ آدمی تھے۔ بہت کوشش کی کہ بیٹی' بھائی اور بھتیجے کے درمیان مصالحت کرا دے مگر ناکام رہے۔

ملا محمد تقی کا قتل

۱۸۴۷ء کا واقعہ ہے کہ شیخ احمد احسائی کا ایک پیرو ملا عبداللہ شیرازی وارد قزوین ہوا اس نے دیکھا کہ ملا محمد تقی امام جمعہ اپنے خطبات میں حضرت شیخ اور ان کے ماننے والوں کو بر سر منبر برا بھلا کہتا ہے تو اسے بے حد صدمہ ہوا اور یہ تہیہ کر لیا کہ وہ ملا مذکور کا کام تمام کر دے گا۔ چنانچہ ستمبر ۱۸۴۷ء کی ایک صبح کو ملا محمد تقی کو قتل کر دیا گیا۔

یہ قتل محض ایک آدمی کا کام اور خود مقتول کی زبان درازی کا انجام تھا' لیکن طاہرہ کا شوہر ملا محمد اس سے بہت برافروختہ ہو گیا اور اس نے مشہور کر دیا کہ اس کے والد کو طاہرہ کے حکم سے قتل کیا گیا ہے۔ مظلوم اور بے گناہ خاتون کو اذیت پہنچانے کا یہ بہترین موقعہ تھا' چنانچہ ان کو اپنے والد ملا محمد صالح مجتہد کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہائی

اصل بات یہ ہے کہ ملا محمد اپنی بیوی کو قتل کروانا چاہتا تھا' ادھر طاہرہ نے اعلان کر دیا تھا کہ "خدا ان کو نو دن کے اندر اندر قید سے رہائی دلا دے گا اور یہ رہائی ان کے عقیدے کی صداقت کی دلیل ہو گی" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سید باب کے پیرو میرزا حسین علی نوری نے جو بعد میں بہاء اللہ کہلائے' ان کی رہائی کا معجزانہ طور پر انتظام کروا دیا۔ آپ کے ایک پیرو آقا محمد ہادی نے قزوین جا کر طاہرہ کو رہائی دلوائی اور ان کو طہران لے آیا۔ ملا محمد اور خاندان کے سبھی افراد اس واقعہ سے بے حد متعجب ہوئے' ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ قرۃ العین طاہرہ کہاں چلی گئی۔

طہران میں قیام

طہران میں چند روز قیام کے بعد مرزا حسین علی (بہاء اللہ) نے حکم دیا کہ طاہرہ کو خراسان کی طرف سفر کرنا چاہئے' آپ نے اپنے بھائی میرزا موسی کلیم کو حکم دیا کہ وہ طاہرہ کو بدشت لے جائیں جہاں بابیوں کی تاریخی کانفرنس منعقد ہونا تھی۔ طاہرہ ایک سہیلی کے ساتھ بدشت چلی گئی۔

بدشت کانفرنس

یہ بہار ۱۸۴۸ء کے آغاز کا واقعہ ہے جب بہاء اللہ مقام بدشت میں لائے' بدشت میں آپ نے تین باغ کرایہ پر لئے' ایک اپنے لئے دوسرا طاہرہ کے لئے اور تیسرا ملا محمد علی قدوس کے لئے۔ اس کانفرنس میں ۸۱ آدمیوں نے شرکت کی اور بائیس دن تک یہاں قیام کیا' ان بائیس دنوں میں سب شرکاء بہاء اللہ کے مہمان رہے' آپ ہر روز ایک تازہ لوح میرزا سلیمان نوری کو عطا کرتے اور وہ مجمع اصحاب میں اس کی تلاوت کرتے' روزانہ کسی نہ کسی فرد کو نیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام دیا جاتا۔ میرزا حسین علی کا آسمانی نام بہاء اللہ بھی انہی دنوں رکھا گیا اس سے پہلے آپ "حضرت ایشان" کے نام سے متعارف تھے' یہاں آپ نے قرۃ العین کو طاہرہ کا نام دیا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ طاہرہ جن کو پیروان سید باب' عفت و عصمت اور تقوی و طہارت میں ایک مثالی خاتون' مانتے تھے بے نقاب لوگوں کے سامنے آگئیں اور پرجوش خطاب میں دور جدید کے آغاز' اور استقلال آئین بابی کا اعلان کر دیا۔ سید باب اس وقت آذربائی جان کے قلعہ ماکو میں قید تھے۔

نور کا سفر

بدشت کانفرنس کے خاتمہ پر طاہرہ مقام نور پہنچیں اور تاکر میں جناب بہاء اللہ کے بھائی مرزا محمد حسن کے گھر میں قیام فرمایا' جب قلعہ شیخ طبرسی کا واقعہ رونما ہونے والا تھا تو آپ بیتابی سے ان کی مدد کو پہنچنا چاہتی تھیں کہ گرفتار کر لی گئیں اور طہران لائی گئیں۔

طہران کی قید و بند

یہاں محمود خان کالنتر (میئر) کے گھر کی بالائی منزل میں ان کو قید کر دیا گیا۔ محمود خان کی بیگم نے آپ سے خاص ارادت پیدا کر لی تھی اور وہ ان کے پاکیزہ خلق و خو کی شیفتہ ہو گئی تھی۔ آپ اس مکان میں دو سال تک قید رہیں۔ میرزا آقا خان وزیر اعظم کے حکم سے حاجی ملا علی کنی اور حاجی میرزا محمد اندرمانی نے آپ سے سات مرتبہ ملاقات کی لیکن آپ اپنے عقیدے پر ڈٹی رہیں اور ان کو اپنے دلائل سے لاجواب کر دیا تو ان علماء نے آپ کے قتل کا فتوی دے دیا۔

ناصرالدین کا خط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرۃ العین طاہرہ کی پرستار امریکن خاتون مارتھا روٹ رقم طراز ہے کہ ناصرالدین شاہ نے طہران کے میسز محمود خان کی معرفت طاہرہ کو خط لکھا کہ ''اگر تم باب کا انکار کردو تو میں تمہیں اپنی ملکہ بنا لوں گا'' طاہرہ نے اسی خط کی پشت پر اپنا یہ شعر لکھ کر قاصد کو لوٹا دیا۔

تو و ملک و جاہ سکندری، من و رسم و راہ قلندری
اگر آن نکوست تو درخوری و گر این بداست مرا سزا

جب ناصرالدین شاہ کو یہ تحریر ملی تو وہ بول اٹھا ''تاریخ میں ایسی عورت کا سراغ نہیں ملتا۔''

طاہرہ نے مومنانہ فراست سے اپنی شہادت کو دیکھ لیا تھا۔ آپ نے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۲ء کی صبح کو غسل کیا، خود کو دلہن کی طرح سجایا، سفید ریشم کا لباس زیب تن کیا اور عطر لگایا، سارا دن دعا و مناجات میں گزارا، پھر شام کے وقت گھر کے ایک ایک فرد کو الوداع کہا اور فرمایا ''میں آج رات ایک لمبے سفر پر جا رہی ہوں۔''

آخری وصیت

میسز محمود خان کی بیگم کا بیان ہے کہ ''شام کو طاہرہ نے مجھے اوپر بلایا، میں ان کے کمرے میں گئی، تو میں نے تعجب سے پوچھا آپ نے خود کو ایسا آراستہ پہلے کبھی نہیں کیا تھا، کیا مہمانی میں جانے کا پروگرام ہے؟''

آپ نے مسکرا کر کہا ''جی ہاں میں محبوب کی زیارت کے لئے جا رہی ہوں تمہیں زندان بانی کی زحمت سے نجات دے رہی ہوں'' یہ سن کر میں نے رونا شروع کیا تو آپ نے تسلی دیتے ہوئے کہا ''رونے کا وقت بہت ہے، میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ جب آدمی مجھے لینے کے لئے آئیں تم اپنے بیٹے کو میرے ساتھ کر دینا تاکہ جلاد میرا لباس تبدیل نہ کریں'' جب میں نے ایسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کرنے کا وعدہ کیا تو آپ نے کمرے کے دروازے بند کر لئے اور سب معمول دعا و مناجات میں مشغول ہو گئیں' میں ساری رات جاگتی رہی۔

مقتل کی طرف

اچانک نصف شب کے قریب عزیز خان سردار کے سپاہی آن پہنچے' دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا "ہم طاہرہ کو وزیراعظم کے گھر لے جانے کے لئے آئے ہیں"۔ میں نے طاہرہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ چادر اوڑھ کر چہل قدمی کر رہی ہیں' کبھی مناجات اور کبھی اشعار' غم و مسرت کے ملے جلے جذبات میں پڑھ رہی ہیں' میں نے آپ کو اطلاع دی تو آپ فوراً" نیچے آ گئیں' چنانچہ آپ کو گھوڑے پر سوار کیا گیا' ایک آدمی نے عنان پکڑی اور رات کے سناٹے میں سپاہی یمین و یسار چلنے لگے۔

میرزا محمود خان کے بیٹے کا بیان

جب کوئی تین گھنٹے کے بعد میرا بیٹا واپس آیا تو اس کی حالت غیر تھی اور وہ قاتلوں پر برابر لعنت بھیج رہا تھا' میں اور بیٹا دونوں روتے روتے بیہوش ہو گئے' جب بیٹے کو ہوش آیا تو اس نے بتایا کہ "طاہرہ کو سوار کر کے باغ ایلخانی میں لے جایا گیا' یہاں عزیز خان سردار باغ کے ایک گوشے میں ناؤ و نوش میں مشغول تھا۔ سردار نے ایک سپاہی کو طاہرہ کے قتل کے لئے مامور کیا مگر وہ آپ کی شخصیت سے ایسا مرعوب ہوا کہ گھبرایا ہوا واپس آ گیا اور صاف انکار کر دیا کہ میں اس عورت کو قتل نہیں کر سکتا' تب عزیز خان نے ایک بد صورت حبشی غلام کو شراب پلائی اور پھر کہا "جاؤ اس بابی عورت کا کام تمام کر دو۔"

شہادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ظالم سپاہی نے رات کے پچھلے پہر ریشمی رومال سے جو طاہرہ اپنے ساتھ لائی تھیں، آپ کا گلا گھونٹ دیا۔ آپ زمین پر گر پڑیں، حضرت عبدالبہاء کا کہنا ہے:۔ "آپ آخری دم تک مسرور و پرسکون رہیں، پھر آپ کے سینہ مبارک اور پہلوؤں پر زور زور سے جوتے مارے گئے، آپ ابھی جی ہی رہی تھیں کہ آپ کو کنوئیں میں پھینکا گیا، پھر پتھر اور مٹی ڈال کر اسے بند کر دیا گیا۔
"

یہ ۱۵ ستمبر ۱۸۵۲ء کا واقعہ ہے اس وقت آپ کی عمر چھتیس سال تھی۔
اس طرح ایک نئی عالمگیر تحریک کی نقیب اور مشرق و مغرب میں آزادی نسواں کی اولین علم بردار خاتون کی مادی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ شہادت کے وقت اس نے کہا تھا:
"تم مجھے قتل تو کر سکتے ہو لیکن اب عورتوں کی آزادی کو روک نہیں سکتے۔"

قرن بدیع شوقی ربانی لکھتے ہیں:
"----- حضرت طاہرہ کی زندگی جتنی مختصر تھی اتنی ہی پر جلال بھی تھی، جس قدر غم انگیز تھی اسی قدر کارناموں سے بھری ہوئی تھی۔

مشاہیر کا خراج عقیدت

عراق کے معروف مفسر قرآن (روح المعانی) سید محمود آلوسی، جناب طاہرہ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:
"و قد رایت من الفضل و الکمال فیھا مالم اراہ فی کثیر من الرجال
"

ترجمہ: میں نے ان میں جس فضل و کمال دیکھا ہے وہ میں نے اکثر مردوں میں بھی نہیں دیکھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"وہی ذات عقل و استکان ے و ذات حیاء و صیانہ۔"

ترجمہ: وہ عقل و فروتنی کی مالک اور عفت و حیا کی حامل تھیں۔

لارڈ کرزن اس نابغہ روزگار خاتون کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اس پیاری شاعرہ کی شجاعت موجودہ تاریخ کا سب سے اہم واقعہ ہے۔"

فرانسس ینگ ہینڈ رقم طراز ہے:

"طاہرہ اپنی نیکی، تقدس اور قابلیت کی وجہ سے مشہور تھی وہ ثروتمند تھی، بڑے خاندان کی بیٹی تھی، اس نے دولت، اولاد، شہرت، مرتبہ سب کچھ محبت کی نذر کر دیا۔"

ترکی کے عظیم شاعر و ادیب سلیمان ناظم بیگ نے کہا ہے:

"اے طاہرہ! تم ہزاروں ناصرالدین شاہ سے زیادہ قیمتی ہو۔"

ممتاز برطانوی مستشرق براؤن لکھتا ہے:

"قرۃ العین جیسی عورت کا ظہور عجائب روزگار میں سے ہے۔ اگر دین بابی اپنی قدرت و عظمت کے لئے کوئی اور دلیل نہ رکھتا ہو تو یہی دلیل کافی ہے کہ اس نے قرۃ العین جیسی بہادر اور جان نثار عورت کو اپنی آغوش میں پالا ہے۔"

شاعر مشرق علامہ اقبال نے بھی جناب طاہرہ کی شخصیت اور شاعری کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، آپ اپنے روحانی سفر (جاوید نامہ) میں مشتری پر حلاج، غالب اور طاہرہ سے ملاقات کرتے ہیں تو مرشد رومی کی زبان سے آپ کو خاتون عجم کا لقب دیتے ہیں۔

پیش خود دیدم سہ روح پاکباز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتش اندر سینہ شان گیتی گداز

اس موقعہ پر آپ کے رہنما رومی توجہ دلاتے ہوئے کہتے ہیں :

گفت رومی این قدر از خود مرو
از دم آتش نوایاں زندہ شو
شوق بے پروا ندید ستی نگر
زور این صہبا ندید ستی نگر
غالب و حلاج و خاتون عجم
شورہا افکندہ درجان حرم
این نواہا روح را بخشد ثبات
گرمی او از درون کائنات

علامہ اقبال جناب طاہرہ کی زبان سے سید باب کی شہادت اور اس کے اثراتِ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

از گناہ بندۂ صاحب جنون
کائنات تازہ ای آید برون
شوق بے حد پردہ ہا را بر درد
کہنگی را از تماشا می برد
جلوہ او بنگر اندر شہر و دشت
تانہ پنداری کہ از عالم گزشت
در ضمیر عصر خود پوشیدہ است
اندر این خلوت چساں گنجیدہ است

طاہرہ نے علم، عرفان، تقوی، تقدس، جرات، صبر اور شہادت کی وجہ سے دنیا میں نام پیدا کیا، وہ بے نظیر ادیب اور بے مثل خطیب تھیں۔ مگر ان کا مقام ادیب و خطیب اور عالم و شاعر سے کہیں بلند ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاہرہ جب حد بلوغ کو پہنچیں تو اس وقت قزوین میں ایک سو سے زیادہ جید علماء موجود تھے مگر آپ کے علم کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ طاہرہ نے اپنے گھرانے اور سوسائٹی کے فرسودہ رسومات کے بخئے ادھیڑے۔ کربلا جیسے علمی و مذہبی مرکز میں سید باب کے ظہور کا اعلان کیا۔

آپ پر پتھر پھینکے گئے' قید کیا گیا' جلا وطن ہوئیں' سرو سامان لوٹا گیا' موت کی دھمکی دی گئی' ملکہ ایران بننے کی پیش کش کی گئی لیکن طاہرہ نہ خوف سے گھبرائیں نہ لالچ میں ڈگمگائیں بلکہ رہ محبت میں اپنا خون دے کر موت کو شکست دے گئیں۔ اسی قربانی میں ان کی عظمت کا راز مضمر ہے۔

شاعری

عربی و فارسی میں ان کے چند مکتوبات و رسائل ملتے ہیں۔ کلام یا تو ضائع ہو گیا یا مخالفین نے نذر آتش کر دیا۔ چند منظومات اور غزلیات جو باقی بچ گئیں' وہ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں' ان میں بلند خیالی' شوکت الفاظ اور ایسا جوش و خروش ملتا ہے جس کی نظیر فارسی شاعری میں مولانا رومی کے علاوہ کہیں نہیں ملتی' "حرف حرف حرارت جوش سے اور کلمہ کلمہ حدت جذبہ سے پگھلتا معلوم ہوتا ہے۔"

موازنہ

علامہ اقبال عالم اسلام کی تین شہرہ آفاق شخصیات سے بہت متاثر تھے :۔ حسین بن منصور حلاج' قرۃ العین طاہرہ اور مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ علامہ اقبال ۱۹۰۱ء میں طاہرہ کی زندگی اور شاعری سے آشنا ہوئے۔ آپ نے چند غزلیں طاہرہ کی زمینوں میں کہی ہیں۔ لیکن طاہرہ کا کلام ایک مجموعہ کی صورت میں حضرت علامہ کو ۱۹۳۰ء میں دستیاب ہوا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء میں ایک ایرانی ادیب اسفندریار بختیاری (مقیم کراچی) نے امریکن خاتون مارتھا روٹ کے کہنے پر طاہرہ کی سات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غزلوں کا مجموعہ "تحفہ طاہرہ" شائع کر کے برصغیر کے اہل ذوق کو بھیجا۔ مرحوم بختیاری اپنی فارسی یاد داشت میں، جس کا اردو ترجمہ "نجم دری" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، لکھتے ہیں: میں نے مارتھا روٹ اور پروفیسر پریم سنگھ (دیال سنگھ کالج لاہور) کے ہمراہ ۲۲ جون ۱۹۳۰ء کو علامہ اقبال سے لاہور میں ملاقات کی اور کتاب "تحفہ طاہرہ" ان کی خدمت میں پیش کی۔ ایک اور کتاب "بہاء اللہ و عصر جدید" بھی آپ کو پیش کی گئی۔ حضرت علامہ نے یہ دونوں کتابیں خوشی سے قبول کیں اور ان کا مطالعہ کرنے کا وعدہ کیا۔ تین آدمیوں پر مشتمل یہی وفد پھر ۲۴ جون ۱۹۳۰ء کو دوبارہ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جناب بختیاری لکھتے ہی کہ اس مرتبہ علامہ پہلے دن سے زیادہ مسرور نظر آتے تھے اور انہوں نے گرمجوشی سے ہمیں خوش آمدید کہا۔

علامہ نے امریکن خاتون مارتھا روٹ سے بہائیت اور طاہرہ کی شاعری پر مفصل گفتگو کی اور اس دوران فرمایا کہ وہ اپنی ایک کتاب میں جو زیر تصنیف ہے، طاہرہ کا ذکر کریں گے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" میں، جو ۱۹۳۲ء میں طبع ہوئی، طاہرہ کا بڑے احترام سے ذکر کیا اور اس انقلابی شاعرہ کو "خاتون عجم" کا لقب دیا۔

علامہ اقبال نے "تحفہ طاہرہ" سے ایک غزل جاوید نامہ میں شامل ہے جس کا مطلع یہ ہے

گر بتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ رو برو
شرح دہم غم ترا نکتہ بہ نکتہ مو بہ مو

جاوید نامہ کے فکری سفر میں اقبال، مرشد رومی کی رہنمائی میں، فلک قمر، فلک عطارد، فلک زہرہ اور فلک مریخ سے گزر کر جب فلک مشتری پر پہنچتے ہیں تو وہاں ان کی ملاقات "تین ارواح جلیلہ" حلاج، طاہرہ اور غالب سے ہوتی ہے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سامنے تین پاک باز روحوں کو پایا جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سینوں کے اندر "گیتی گداز" آگ روشن تھی۔ انہوں نے سرخ لباس پہنا ہوا تھا اور چہرے "سوز دروں" سے تابناک تھے۔

اس موقع پر اقبال سے مولانا رومی مخاطب ہو کر کہتے ہیں: تمہیں ان "آتش نواؤں" کے نفس سے زندہ ہو جانا چاہئے۔ اگر تم نے "شوق بے پروا" نہیں دیکھا تو اب دیکھ لو اور اگر صہبائے عشق کی طاقت کا مشاہدہ نہیں کیا تو یہاں کر لو۔ حلاج، طاہرہ (خاتون عجم) اور غالب نے "جان حرم" میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا ہے۔ ان کا "ثبات" روح کو ثبات بخشتا ہے۔

قرۃ العین طاہرہ ایک نئے تمدن اور ایک نئی فکر کے بانی سید علی محمد باب کی پیرو تھی۔ اقبال "خاتون عجم" کی آتش نوائی، حق گوئی، بیباکی، شجاعت اور جذبہ عشق کے مداح تھے۔ صحیح بات یہ ہے کہ: "اقبال دراصل اپنے تصور خودی اور عشق کی تعبیر قرۃ العین طاہرہ کی حیات میں پاتے تھے اور خاتون عجم کو عالم نسواں کا بہترین نمونہ گردانتے تھے۔"

این میری شمل لکھتی ہیں: "اقبال اپنے نظریہ مرد مومن میں عورت کو شامل نہیں کرتے اور عورت کے لئے فقط ایک بیوی اور ماں کی ذمہ داری ہی متعین کرتے ہیں۔ لیکن یہاں انہوں نے یہ دکھا دیا ہے کہ وہ تنگ نظر نہ تھے۔ وہ دراصل ہر اس شخصیت کے مداح تھے، جس میں ان کو سچی محبت کی روشنی نظر آئے۔ یہاں طاہرہ سندھی اور پنجابی لوک داستانوں کی شجاع اور شیر دل عورتوں کی طرح مرد اور سچی طالب المولی دکھائی دیتی ہے۔ جس نے دنیا کی ہر چیز کو تج دیا اور محبت کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔"

اقبال نے "خاتون عجم" کی زبان سے یہ اہم پیغام دیا ہے کہ ایک صاحب عشق کی جرات کے طفیل تازہ کائنات ظہور میں آ رہی ہے۔ کہنگی و قدامت مٹ رہی ہے۔ اس صاحب عشق کا جلوہ شہر و دشت میں دکھائی دیتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وہ اپنے عصر کے ضمیر میں پوشیدہ ہے۔ ان "ارواح پاکباز" نے دنیا کو محبت کا پیغام دیا۔ عشق کا تحفہ دیا۔ وحدت بشر کا پیغام سنایا' خودی کی تکمیل محبت کی طاقت ہی سے ممکن ہے۔ محبت ہی فرد کو اطمینان دیتی ہے اور محبت کی فراوانی فاتح عالم بن جاتی ہے۔

حلاج اور طاہرہ کی طرح اقبال بھی تقلید' تعصب' جمود اور رسم و رواج کے خلاف تھے۔ ان کے نزدیک "آئین نو سے ڈرنا" اور "طرز کہن پہ اڑنا" قوموں کی زندگی میں ایک کٹھن منزل ہے۔ اقبال حلاج و طاہرہ کے عشق کے معجزات بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔

از نگاہ عشق خارا شق شود' عشق حق آخر سراپا حق شود

حلاج اور قرۃ العین طاہرہ میں متعدد مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ حلاج اور طاہرہ دونوں ایرانی الاصل تھے۔ حلاج بیضا (شیراز) میں اور طاہرہ قزوین میں پیدا ہوئی۔ ان دونوں شہروں میں عربی اور اسلامیات کے بڑے بڑے علماء پائے جاتے تھے۔ قزوین میں طاہرہ کے زمانے میں ڈیڑھ سو جید رہتے تھے۔

حلاج نے ابتدائی تعلیم بیضا میں حاصل کی اور طاہرہ نے قزوین میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ حلاج شیراز کو خیرباد کہہ کر بغداد چلا گیا اور طاہرہ قزوین سے کربلا گئی اور کئی برسوں تک وہاں رہی۔ طاہرہ سید علی محمد باب کی اور حلاج سہل تستری (شوشتری) کا مرید ہوا اور اس سے کسب فیض کرنے لگا۔

حلاج کے زمانے میں عراق پر خلیفہ المقتدر باللہ (۳۲۰ -- ۲۹۵ھ) کی حکومت تھی اور طاہرہ کے عہد میں ناصرالدین شاہ قاچار جیسا آمر ایران پر مسلط تھا۔ دونوں آمروں کے عہد میں لوگ شخصی آزادی سے محروم تھے اور فرد کی انا کو کچل کر رکھ دیا گیا تھا۔ میرے نزدیک حلاج ایک مصلح تھا اور کسی بھی اصلاحی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے افراد میں احساس خودی پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے مقام سے آگاہ ہو کر حقوق حاصل کر سکے۔ بادشاہتوں اور استحصالی نظاموں نے فرد کی اہمیت سے انکار کر کے اسے استبداد کی مشین کے کل پرزے بنا دیا تھا۔ ایسے وقت میں حلاج نے نعرہ لگایا کہ "میں" جو ایک فرد ہوں اپنی انفرادی شخصیت اور حق کا مالک ہوں، مجھ فرد کا وجود حق ہے اور میرے حقوق بھی جائز و مسلم ہیں، انا الحق کی ایک تعبیر یہ بھی ہے۔

قرۃ العین طاہرہ نے اس ظالمانہ نظام کو چیلنج کیا تھا اور ناصرالدین شاہ جیسے جابر کو للکارا تھا کہ اگر بندہ و آقا کی تمیز ختم کر دے، حاکم و محکوم کا امتیاز اٹھا دے اور طبقاتی تفاوت کو مٹا کر من و تو کی منزل سے گزر جائے تو میں تمہاری استدعا کو قبول کر کے تمہاری ملکہ بن سکتی ہوں۔

بگزر ز منزل ما و من بگزین بملک فنا وطن
فاذا فعلت بمثل ذا فلقد بلغت بما تشاء

اور اگر تم رعایا پر مظالم توڑنا بند نہ کرو گے تو پھر میری راہ جدا ہے تمہاری راہ جدا۔

تو و ملک و جاہ سکندری، من و رسم و راہ قلندری!
اگر آن خوش است تو در خوری وگر این بداست مرا سزا

حلاج اور طاہرہ دونوں اسلامی علوم کے ماہر اور عبادت گزار تھے۔ دونوں وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ حلاج نے بغداد، مکہ، رہواز، خراسان، سندھ، کشمیر اور چین کا سفر کیا۔ طاہرہ بھی بغداد، کربلا، کاظمین، طہران، خراسان اور مازندران کا سفر کرتی رہی۔ دونوں محبوب حقیقی کے فراق میں تڑپتے رہے۔ طاہرہ کہتی ہے کاش کہ محبوب سے میری ملاقات ہو جائے اور میں اسے حال دل سنا سکوں۔

گر بتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ رو برو
شرح دہم غم ترا نکتہ بہ نکتہ مو بہ مو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حلاج کہتا ہے

ولیلته الهجران طالت وان قصرت
فمونسی امل فیه و تذکار

حلاج مصائب جھیلنے میں اپنی کامیابی سمجھتا تھا اور صدمات کو نردبان وصال جانتا تھا۔ طاہرہ بھی اس مقام پر حلاج سے پیچھے نہیں ہے۔

چو کسی طریق مرا رود کنمش ندا کہ خبر شود
کہ ہر آنکہ عاشق من بود نرھد ز محنت و ابتلا

ترجمہ: اگر کسی کو میری کرہ پر چلنا ہو تو بتا دیتی ہوں کہ جو
بھی میرا عاشق ہو گا محنت و ابتلا سے چھٹکارا نہ پائے گا۔

حلاج قتل ہو جانے میں زندگی سمجھتا تھا۔ وہ کہتا ہے'

اقتلونی یا ثقات لائما" ۔ "اے لوگو مجھے ملامت کرو اور قتل کر دو۔"

طاہرہ بھی فلسفہ شہادت پر ایمان رکھتی تھی۔ وہ کہتی ہے

حیات من نہ ز جان و ممات من نہ ز مرگ است

من الوصال حیات' من الفراق مماتی!

ترجمہ: مری زندگی جان بچانے میں نہیں اور نہ ہی موت مر
جانے میں ہے۔ (بلکہ) وصال میں زندگی ہے اور فراق میں
موت۔

منصور حلاج فقیہوں سے مناظرے کرتا اور انہیں اپنا ہم خیال بنایا کرتا تھا۔

طاہرہ بھی علماء سے اکثر ہمکلام ہوتی اور انہی لاجواب کر دیا کرتی تھی۔

پھانسی کا حکم آنے سے چند دن قبل دو مجتہد طاہرہ سے آخری مباحثہ کرنے گئے تو طاہرہ نے کہا۔

محتسب است و شیخ و من صحبت عشق درمیان
از چہ کنم مجا بشان پختہ یکی و خام دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: محفل میں محتسب ہے، شیخ ہے اور میں ہوں۔ عشق موضوع سخن ہے۔ میں ان کو کیا جواب دوں کہ پختہ ذہن ایک ہے اور خام مغز دو ہیں۔

منصور حلاج ریاکار فقیہوں اور دنیادار صوفیوں کے سخت خلاف تھا۔ اسی وجہ سے صوفی و ملا اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ طاہرہ بھی دین داروں کی ظاہر داری و ریا کاری اور اہل علم کی توہم پرستی کے خلاف تھی۔ وہ پیش گوئی کرتی ہے کہ اب نہ شیخ مسند تزویر پر براجمان ہو گا اور نہ ہی مسجد دکان تقدس بنے گی

دیگر نہ نشیند شیخ برمسند تزویر
دیگر نہ شود مسجد دکان تقدس

ترجمہ: اب شیخ مسند تزویر پر کبھی نہ بیٹھے گا اور مسجد دکان تقدس فروشی کبھی نہ بنے گی۔

آزاد شود دھر ز اوہام و خرافات
آسودہ شود خلق ز تخییل و توسوس

ترجمہ: زمانہ اوہام و خرافات سے آزاد ہو جائے گا اور خلق خدا وسوسوں سے آسودہ ہو جائے گی۔

محکوم شود ظلم ببازوئے مساوات
معدوم شود جہل ز نیروئے تفرس

ترجمہ: مساوات نوع بشر کا بازو ظلم کو محکوم کر دے گا۔ جہالت معدوم ہو جائے گی اور اس کی جگہ علم و فراست کی حکم رانی ہو گی۔

گسترده شود در ہمہ جا فرش عدالت
افشانده شود درہمہ جا تخم تونس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ : ہر جگہ بساط عدل و انصاف بچھا دی جائے گی اور ہر ملک میں انس و محبت کا بیج بو دیا جائے گا۔

مرفوع شود حکم خلاف از ہمہ آفاق
تبدیل شود اصل تباین بہ تجانس

ترجمہ : اختلاف' تفریق اور دوئی کا حکم دنیا سے اٹھ جائے گا۔ مخاصمت کی جگہ تعاون و تجانس لے لیں گے۔

حلاج کعبہ کی عمارت کا نہیں' صاحب عمارت کا طواف کرنا چاہتا تھا۔

للناس حج ولی حج الی سکنی
تھدی الاضاحی واھدی مھجتی و دمی

طاہرہ کہتی ہے اے خدا ہم کب تک اس حجاب کو برداشت کریں جو تیرے اور ہمارے درمیان حائل ہے۔ ہم کعبہ کے حجاب کو الٹ کر تجھے آشکارا دیکھنا چاہتے ہیں۔

تا کی از حضرتؒ تو صبر و شکیب ۔ طال طوا فہم وراء حجاب

حلاج کی آرزو تھی کہ وہ "دین صلیب" پر جان دے دے۔ طاہرہ کا آئیڈل شیرازی نوجوان سید علی محمد باب تھا۔

معروف فرنچ مستشرق لوئی ما سینیون لکھتا ہے :۔

"منصور کی زندگی' مقدمہ اور شہادت حضرت مسیح کی شہادت سے بڑی مشابہت رکھتی ہے۔ کیا خود حلاج کو بھی اس مشابہت کا علم تھا؟"

قرۃ العین طاہرہ سید علی محمد باب کو امام مہدی مانتی تھی اور اس کی زندگی میں باب کا ظہور ہو چکا تھا اور بہاء اللہ کا ظہور ہونے والا تھا۔

طاہرہ اور حلاج کے درمیان ایک وجہ اشتراک شہادت کا شوق تھا۔

حلاج نے بغداد کی جامع المنصور میں مسلمانوں سے درد بھرے لہجے میں استدعا کی تھی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقتلونی' اقتلونی تو جرو!

مجھے قتل کر دو۔ ہاں مجھے قتل کر دو۔ تمہیں اجر ملے گا

طاہرہ بھی شوق شہادت میں بیقرار رہتی تھی۔ وہ کہتی ہے۔

من و عشق آن مہ خوبرو کہ چو زد صلای بلا براو

بہ نشاط و قہقہہ شد فرو کہ انا الشہید بہ کربلا

طاہرہ بھی حلاج کی طرح زنداں میں رہی اور آخرکار اسے علمائے دربار کے فتوے اور حاکم وقت کے حکم سے ۱۵ ستمبر ۱۸۵۲ء کو طہران میں شہید کر دیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ حلاج کی طرح طاہرہ کو بھی پہلے سے اپنی شہادت کا یقین ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ پہلے ہی سے تیار ہو کر شہادت کا انتظار کرنے لگی تھی اور دوسری عجیب مشابہت یہ ہے کہ حسین حلاج اور قرۃ العین کے نو نو حرف ہیں۔ چونکہ عربی میں مشدد حرف دراصل دو حرف ہوتے ہیں' اس لئے حلاج میں دو لام اور قرۃ العین میں دو را پڑھی جاتی ہیں۔

علامہ اقبال نے طاہرہ کے شوق بے پایاں کی تعریف کرتے ہوئے طاہرہ ہی کی زبان سے کہا ہے کہ عاشق حقیقت سے آگاہ ہو کر دار و رسن سے بہرور ہوتا ہے اور کوئے حبیب سے زندہ نہیں لوٹتا۔

آخر از دار و رسن گیرد نصیب برنگردد زندہ از کوی حبیب

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

۱۔ علامہ اقبال: جاوید نامہ

۲۔ لوئس ماسینوں: حسین بن منصور

۳۔ حلاج: کتاب الطواسین اور اخبار حلاج مرتبہ ماسینول

۴۔ عبدالحسین میکدہ: حلاج' طہران' ۱۹۹۲ء

۵۔ براؤن: تاریخ فارس' کیمبرج' ج I (انگریزی)

۶۔ صابر آفاقی: خاتون عجم' لاہور ۱۹۹۵ء

© rasailojaraid.com